رسائل و مسائل

تعلیمات قرآن کے متعلق بحث

(۲)

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز بی۔اے

مفہوم خلافت اس میں کوئی کلام نہیں کہ حضرت انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات عالم پر تشریف و تکریم سے سرفراز فرمایا ہے۔(وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ) اور جملہ مخلوقات اس کے تابع فرمان بنائی ہیں۔(وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَمِيعًا)۔ اور اس اعتبار سے انسان کو جملہ کائنات پر ایک خاص تفوق و برتری حاصل ہے۔ لیکن چونکہ اس تفوق کے خیال سے ذہن انسانی میں خود مالک و مختار بن بیٹھنے کا امکان ہے، اس لیے آپ اس خطرہ کو اسطرح سے دور کرتے ہیں کہ انسان بلاشبہ ہر شئے پر حاکم و ذی اقتدار ہے لیکن خدا کا نائب ہونے کی حیثیت سے نہ کہ خود مالک ہونے کے اعتبار سے یعنی ان اشیاء میں تصرف وہ اپنے اختیار و ارادے سے نہیں کر سکتا بلکہ ان قوانین کے ماتحت کر سکتا ہے جو اس کے حاکم اعلیٰ کی طرف سے اسے ملیں جس کا وہ نائب ہے لیکن شاید آپ نے غور نہیں فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے مقابلہ میں انسان کو مخاطب کیا ہے، وہاں لفظ عَبد استعمال کیا ہے جس کے معنی بندہ و غلام کے ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جو خطرہ آپ انسان کو نائب کی حیثیت دیکر مٹانا چاہتے تھے، قرآن کریم نے اسے عبد کی حیثیت دیکر اس سے کہیں زیادہ مضبوط دیواروں سے اس کا سدباب کیا ہے۔ یعنی تمام مخلوقات کا حاکم، لیکن خدا کا غلام۔ اور اس کی سند ہمیں قرآن کریم سے صاف صاف ملتی ہے۔ برعکس اس کے خلیفۃ اللہ کے لیے بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ قرآن کریم میں خلافت آدم کی نسبت کہیں اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔ اور نیابت کا تو لفظ ہی کہیں قرآن میں آدم کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ اور اس میں

شبہ نہیں کہ نیابت کے مفہوم میں ذہن اس طرف ضرور منتقل ہوجاتا ہے جس کا صاحب تعلیمات نے ذکر کیا ہے خلافت کا مفہوم قرآن کریم میں ایک کی جگہ دوسرے کو جانشین بنانے کا ہی ہے۔ اور میں نے تو جہاں تک غور کیا ہے، جہاں جہاں یہ لفظ کسی انسان یا انسانوں کی کسی جماعت کے متعلق استعمال ہوا ہے، اس جانشینی میں حکومت وسلطنت کا انتقال ضرور شامل ہے۔ چنانچہ جو آیات آپ نے نقل کی ہیں خود ان سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے جو آپ کے مدعا کے خلاف ہے۔ مثلاً آپ نے لکھا ہے۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ (۷:۱۵) — قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کردے اور تم کو زمین میں جانشین (خلیفہ) فرمائے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد فرعونیوں کو ہلاک کرکے تم کو ان کا جانشین بنائیگا یعنی ملک وحکومت ان کی ہلاکت کے بعد ان سے چھن کر ان کو مل جائیگی چنانچہ یہی ہوا۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ (۲۶:۴) — سو ہم نے ان کو باغوں چشموں اور خزانوں اور عزت والے مقامات سے نکالا اور ایسا ہی ہوا۔ اور ان سب کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنادیا۔

اس سے صاف واضح ہے کہ یہاں استخلاف فی الارض سے مراد جانشینی ہے نہ کہ نیابت۔ بنی اسرائیل فرعون کی ملک وحکومت کے وارث (اورثنٰھا) وجانشین بنائے گئے تھے۔ دوسری آیت آپ نے یہ لکھی ہے۔

وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا۔ (۱۱:۵)۔ — اور میرا رب تمہارے سوا کسی دوسری قوم کو خلیفہ بنائیگا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

یہ حضرت ہود کا خطاب ہے اپنی قوم سے جس کو اللہ تعالیٰ نے قوم نوحؑ کے بعد زمین کی بادشاہت دی تھی۔ چنانچہ حضرت ہود فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ (۹:۷) اور یاد کرو جب اللہ نے قوم نوح کے بعد تم کو خلیفہ بنایا

پھر جب قوم ہودؑ نے نافرمانی کی اور عذاب الٰہی سے ہلاک کیے گئے تو قوم ثمود ان کی جانشین

ہوئی جس کو مخاطب کر کے حضرت صالحؑ فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ اور یاد کرو جب اللہ نے تم کو قوم عاد کے بعد جانشین

وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ (۱۰:۷) بنایا اور تمہیں زمین میں متمکن کیا۔

یہی مفہوم اس آیت میں ہے جس کے الفاظ، جہاں تک جانشین اور نیابت کا تعلق ہے بالکل واضح ہیں

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا (۶:۹) اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدلدیگا اور تم اس کو ضرر نہ پہنچا سکو گے

اور اس آیت میں تو استخلاف کا مفہوم اور بھی زیادہ واضح ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ اگر اللہ چاہے تو تم کو لے جائے اور تمہارے بعد جس کو

مَا يَشَآءُ (۶:۱۶) چاہے جانشین بنائے۔

اسی کی تفسیر دوسری آیت سے ہوتی ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ (۴:۱۹) اگر اللہ چاہے تو اے لوگو تم کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے

ان آیات سے ظاہر ہے کہ ایک قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے بعد، یا ان سے غلبہ و استیلاء

اور ملک و حکومت چھین لینے کے بعد (کہ قوموں کی زندگی میں یہ عذاب بھی درحقیقت مٹا دینے کے مرادف بلکہ

اس سے بھی زیادہ بلائے عظیم ہوتا ہے) کسی دوسری قوم کو ان کی جگہ مسلط و متمکن کر کے قوم ماسبق کا وارث و جانشین

بنا دینے کو استخلاف کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ استخلاف کے معنی ہی "اپنا خلیفہ بنانے" کے

ہیں تو قرآن کریم میں علاوہ آیات محولہ بالا، اور مقامات سے بھی اس کے خلاف شہادت ملتی ہے۔ مثلاً فرمایا۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ (حدید)

شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ تو اس وقت سامنے نہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے

"اور خرچ کرو اس چیز سے کہ کیا ہے تم کو جانشین پہلوں کا بیچ اس کے"

اب ظاہر ہے کہ جب مستخلف کے معنی "پہلوں کا جانشین" ہے تو استخلاف کے معنی صرف "اپنا خلیفہ" ہی کس طرح ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مصرحہ صدر آیات "استخلاف" میں شاہ صاحب نے کہیں "اپنا خلیفہ" ترجمہ نہیں کیا۔

اب نفس خلیفہ کے معنی دیکھیے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۱۰: ۲) پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں خلیفہ (جانشین) بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

کس کا جانشین (خلیفہ) بنایا؟ اس کی تصریح اس سے پہلی آیت میں ہے۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا (۱۰: ۲) بہت سی نسلوں کو جب انہوں نے ظلم کیا تم سے پہلے ہلاک کر ڈالا ہے یعنی ان ہلاک کردہ قوموں کی جگہ پر اس زمین میں ہم نے تم کو بادشاہت دی ہے کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب منوب عنہ کا ذکر نہ ہو تو اس سے مقصود خلیفہ ماسبق یعنی پہلوں کا جانشین ہوتا ہے۔

پھر قرآن کریم میں ہے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ (۳۴: ۵) اور جو کچھ تم خرچ کر ڈالتے ہو اللہ اس کی جگہ دوسرا مال تم کو دیتا ہے

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ خلیفہ کے معنی جانشین یعنی Successor کے ہیں اور خلف کے معنی کسی کا جانشین ہونا To succeed اور استخلاف کے معنی کسی کا جانشین بنانا To make successor ہے اب ان تصریحات کی روشنی میں آیت "یا داؤد إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ" کو دیکھیے جس سے آپ نے خلیفہ یعنی میرا نائب مراد لیا ہے، تو واضح ہو جائیگا کہ لفظ خلیفہ کے استعمال کے بعد "لِلَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِكَ" یعنی اُن لوگوں کا جانشین کہ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں" کے اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ مفہوم خلیفہ کے اندر موجود ہے جس کے معنی ہی Successor کسی ماسبق کا جانشین ہے۔ البتہ اگر مفہوم اس سے جداگانہ لینا ہو یا منوب عنہ کسی ماسبق کے علاوہ کوئی اور ہو تو اس وقت اس اضافہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر تشریف لے جاتے وقت اپنی عدم موجودگی میں جب حضرت ہارونؑ کو "اپنا" جانشین بنایا تو فرمایا۔

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي (۷:۷) اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میری قوم میں (خلیفہ) میرے جانشین

اب ظاہر ہے کہ اگر تنہا خلیفہ کے معنی "میرا جانشین" ہوتا۔ تو اخلفنی میں یائے متکلم بڑھانا خلاف بلاغت تھا

امید ہے ان تصریحات۔ اور جو کچھ اس عنوان کے شروع میں گذارش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ خلیفہ فی الارض سے مراد زمین کی سلطنت وحکومت کی جانشینی ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانشینی کہ اُس قادر مطلق معبود کو فی الحقیقت کسی نائب کی ضرورت نہیں، کہ نائب ہمیشہ غائب کا ہوتا ہے، حاضر کا نہیں ہوتا۔

الجواب

ماہ گذشتہ کے پرچہ میں جناب پرویز کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے حقیقت جن پر جو بحث کی گئی تھی اس سے موصوف کو ایک شکایت پیدا ہوگئی ہے، لہٰذا اس دوسری قسط کا جواب عرض کرنے سے پہلے اس کو رفع کر دینا ضروری ہے شکایت یہ ہے کہ میرے جواب کا انداز ایسا ہے جس سے لوگوں کو معترض کے متعلق یہ بدگمانی ہوسکتی ہے کہ وہ بھی اسی گروہ میں سے ہے جو قرآن مجید کے ارشادات کو دور جدید کے معقولات کی کسوٹی پر کستا ہے، اور حقیقت وصداقت کا معیار قرآن کو نہیں خود اپنی عقل اور اپنے اکتسابی علم کو سمجھتا ہے حالانکہ معترض خود اس گروہ پر اعتراض کرنے والوں میں سے ایک ہے اور اس کا مقصد اس بحث سے صرف قرآن مجید کے معانی کو سمجھنا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میرے جواب کا انداز اور اس کی ہمہ گیری جس سے ان کو شکایت پیدا ہوئی ہے دراصل ایک اور وجہ پر مبنی ہے اور اس کو یہاں وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ نہ صرف

جناب پرویز بلکہ دوسرے حضرات بھی جو میرے پاس اکثر اپنے شبہات و اعتراضات بھیجتے رہتے ہیں، اس قسم کی بحثوں میں میرے مسلک کو سمجھ لیں اور آیندہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

میرا قاعدہ یہ ہے کہ جب میں کسی معترض کے اعتراض پر بحث کرتا ہوں تو اس بحث میں میرا خطاب تنہا اس معترض یا اس کے گروہ کی طرف نہیں ہوتا، بلکہ میں اس کے اعتراض کو محض ایک محرک قرار دیکر مسئلہ زیر بحث کے ان تمام پہلوؤں پر بیک وقت روشنی ڈال دینا چاہتا ہوں جن میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو مختلف قسم کے شکوک لاحق ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ میں نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ اگر ایک ایک شخص یا ایک ایک مذہب کی حد تک جواب کو محدود رکھا جائے تو ایک ہی مسئلہ پر کئی کئی مرتبہ بحث کرنی پڑیگی جس سے میرا اور عام ناظرین کا بہت وقت ضائع ہوگا۔ علاوہ بریں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معترض جس گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ قلیل التعداد ہوتا ہے، اور ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جو اس مسئلہ میں کسی دوسرے پہلو سے شکوک رکھتے ہیں مثلاً جنوں کے متعلق شکوک رکھنے والوں میں وہ لوگ بہت کم ہیں جو محض قرآن مجید کے کسی ارشاد یا بعض ارشادات کی بنا پر شک کرتے ہیں۔ برعکس اس کے کثیر تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے جن کے شکوک کی بنا دور جدید کے معقولات یا ان اثرات پر ہے جو غیر ارادی طور پر ان معقولات کی عام اشاعت سے دلوں میں سرایت کر گئے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر تنہا چوہدری صاحب یا ان کی سی ذہنیت کے چند دوسرے حضرات تک خطاب محدود رہتا تو ان کثیر التعداد مشککین کے شکوک و شبہات بدستور باقی رہ جاتے پس افادہ عام کی خاطر یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معترض خاص کے جواب میں خطاب عام اور ہمہ گیر ہو تاکہ معترض اور اس کے گروہ کے علاوہ دوسرے گروہوں کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس توضیح کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ آیندہ کسی بحث کے دوران میں کوئی معترض تنہا اپنے آپ کو میرا مخاطب نہ سمجھے گا۔

آئیے اب ہم اپنے اصل مبحث کی طرف رجوع کریں۔

مفہوم خلافت | خلافت کی بحث میں سب سے پہلے ہم کو لغت عرب کی توجہ کرنی چاہیے کہ قرآن کریم اسی لغت

میں اترا ہے اور الفاظ قرآنی کے صحیح معنی معلوم کرنے کے لیے اسی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

لغوی تحقیق خلافت کے معنی لغت میں صرف جانشینی اور قائم مقامی کے نہیں ہیں، جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے، بلکہ نیابت کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی اپنی مفردات میں لکھتے ہیں۔

والخلافۃ نیابۃ عن الغیر اما لغیبۃ المنوب عنہ واما لموتہ واما لعجزہ واما لتشریف المستخلف۔

خلافت کسی دوسرے کی نیابت ہے، خواہ منوب عنہ کی غیر موجودگی کے سبب سے ہو یا اس کی موت کے سبب سے یا اپنے عجز کے سبب سے یا اس شخص کو بزرگی عطا کرنے کے لیے جسے خلیفہ بنایا گیا ہے۔

لین (Lane) نے اپنی مد القاموس (Arabic english lexicon) میں خلیفہ کے معنی (Successor) کے علاوہ (Vicegerent) کے بھی لکھے ہیں۔ خلافت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ منوب عنہ مر جائے یا غائب ہو۔ امام راغب لکھتے ہیں کہ خَلَفَ فلانٌ فلانًا قَامَ بِالْاَمْرِ عنہ اما معہ و اما بعدہ۔ "فلاں شخص فلاں شخص کا خلیفہ ہوا یعنی اس کی طرف سے کارپرداز ہوا خواہ اس کے ساتھ یا اس کے بعد"۔

اس مادے سے جو ابواب مشتق ہوئے ہیں، ان کی خاصیتوں سے اس کے معنی میں بھی تغیر واقع ہوتا ہے

خَلَفَ خِلافۃً کے معنی خلیفہ ہونے یا بعد میں آنے یا پیچھے رہنے کے ہیں۔ خَلَفَہٗ خلافۃً کان خلیفتہٗ وبقی بَعْدَہٗ وجاءَ بعدہٗ۔ (تاج العروس) قرآن مجید میں ہے فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ (۷: ۲۱) یعنی اُن کے بعد ایسے ناخلف آئے یا ان کے جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے۔ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ (۷: ۱۷) اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم کے بعد میرا جانشین یا نائب ہو۔ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ (۷: ۱۸)۔ "موسیٰ نے کہا کہ میرے بعد تم میرے بہت برے پس ماندہ رہے"۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ

یَخْلُفُوْنَ (۴۳: ۶۰) اگر ہم چاہیں تو زمین میں تم میں سے ملائکہ پیدا کریں جو تمہاری جگہ آباد ہوں"

تخلف کے معنی پیچھے رہ جانے کے ہیں۔ مَاکَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ (۹: ۱۵)

اَخْلَفَ کے معنی کھوئی ہوئی چیز واپس دینے یا دلانے یا اس کا بدل عطا کرنے کے ہیں۔ اخلف اللہ لک وعلیک خیرًا ای ابدلک بما ذھب عنک وعوضک عنہ (نہایہ ابن اثیر) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَ ھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (۳۴: ۵) اور جو کچھ تم خرچ کروگے تو خدا وہ تمہیں پھر واپس دیگا (یا اس کا بدل عطا کرے گا) اور وہ بہترین رازق ہے" حدیث میں ہے تکفل اللہ للغازی ان یخلف نفقتہ۔ اللہ نے غازی کے لیے ذمہ لیا ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرے گا۔ اللہ اس کا بدل عطا کرے گا۔

خَلَّفَ اور اِسْتَخْلَفَ کے معنی اپنا خلیفہ بنانے کے ہیں یقال خلف فلانا اذا جعلہ خلیفتہ کاستخلفہ (تاج العروس) اِسْتَخْلَفَ کیکر اگر منوب عنہ کی تصریح نہ کیگئی ہو تو معنی یہ ہونگے کہ اپنا خلیفہ بنایا۔ استخلف فلانا ای جعلہ خلیفۃ لہ اور اگر منوب عنہ کی تصریح ہو تو پھر معنی یہ ہونگے کہ اس شخص کا جانشین بنایا جس کا ذکر کیا ہے۔ استخلف فلانا من فلانٍ ای جعلہ مکانہٗ (اقرب الموارد) پس جہاں قرآن مجید نے محض استخلاف کا ذکر کیا ہے اور مستخلف لہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا مثلاً لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (۲۴: ۷) میں، تو وہاں استخلاف کے معنی خلافت الٰہی سپرد کرنے کے ہونگے اور جہاں مستخلف لہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہاں معنی یہ ہوں گے کہ دوسرے کی جگہ یا دوسرے کے بعد خلیفہ بنایا لیکن یہ واضح رہے کہ جب کبھی پچھلے نائب کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا جائیگا تو اس میں دونوں مفہوم شامل ہوں گے یعنی اسکا یہ مفہوم بھی ہوگا کہ حاکم اعلیٰ نے فلاں شخص کو فلاں کا جانشین بنایا اور یہ بھی کہ اس نے فلاں شخص کو اپنا نائب مقرر کیا مثلاً اگر کہا جائے کہ استخلف الملک اللورد ارون بعد اللورد ریدنگ فی ولایۃ الھند

تو اس کے یہ معنی بھی ہوں گے بادشاہ نے لارڈ ارون کو لارڈ ریڈنگ کے بعد اس کی جگہ ہندوستان کا وائسرائے بنایا اور یہ بھی ہوں گے کہ اس نے ارون کو ریڈنگ کے بعد ہندوستان کی ولایت میں اپنا وائسرائے مقرر کیا۔ ان دونوں مفہوموں میں کوئی تضاد و تناقض نہیں ہے کہ بیک وقت صادق نہ آسکیں پس اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ کا یہ مفہوم بھی ہو کہ خدا تمہاری جگہ دوسروں کو دیدیگا اور یہ بھی کہ خدا تمہاری جگہ دوسروں کو خلیفہ بنالیگا۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے، کوئی امر ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں مفہوم لینے میں مانع نہیں ہے۔

جَعَلَهُ خَلِيفَةً کے معنی صرف خلیفہ بنانے کے ہیں خلیفہ کے معنی خواہ نائب کے ہوں یا جانشین کے دونوں صورتوں میں اس کا مفہوم ایک اضافی مفہوم ہے اور اس کا اتمام بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ کوئی مستخلف لہ اور منسوب عنہ بھی ہو، عام اس سے کہ مقدر ہو یا مذکور پس جس جگہ جعل خلیفہ کے ساتھ قرآن مجید نے مستخلف لہ کی تصریح کردی ہے وہاں تو مفہوم واضح ہے، مثلاً وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ۔ (۷:۹) اور وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ عَادٍ (۷:۱۰) اور ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۱۰:۲) لیکن جہاں مستخلف لہ کی طرف قطعاً کوئی اشارہ نہیں ہے وہاں ایک مستخلف لہ مقدر ماننا پڑیگا مثلاً إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (۳۸:۲) اور وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ (۲۷:۵) اور وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ (۶:۲۰) اور إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (۲:۴) سوال آتا ہے کہ وہ مقدر کون ہے۔ اگر آپ پچھلی قوموں یا پچھلے بادشاہوں کو مقدر مانتے ہیں۔ تو قطع نظر اس کے کہ یہ ایک تکلف ہی بعض آیتوں میں یہ معنے بنتے ہی نہیں مثال کے طور پر وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ میں خلفاء کو زمین کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ زمین کے خلفاء ہے اس میں یہ معنے نکالنے کی کہاں گنجایش ہے کہ زمین پر پہلے جو لوگ متمکن تھے ان کے خلفاء۔ پھر إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کے معنی اگر یہ لیے جائیں کہ "میں پچھلے ساکنین ارض کا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا اللہ تعالی نے قرآن میں کہیں ان ساکنین ارض کا ذکر کیا ہے جن کی خلافت انسان کے

سپرد کیگئی ہے؟ اگر کیا ہے تو حوالہ پیش کیجیے اگر نہیں کیا تو فرمائیے کہ ایسی صورت میں محض زبان اور ادب کے نقطۂ نظر سے اس فقرے کا یہ مفہوم زیادہ اقرب الی الفہم ہے کہ "میں پچھلے مجہول الحال ساکنین ارض کا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" یا یہ کہ "میں زمین میں اپنا ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں"؟ اگر سامع صرف عربی جانتا ہو اور ان عقلی مقدمات سے نا آشنائے محض ہو جنہیں مولانا اسلم جیراجپوری نے ترتیب دے کر ایک نتیجہ اخذ کیا ہے، تو وہ اس فقرے کو سن کر ان دونوں معنوں میں سے کونسا معنی مراد لے گا؟

خلافت میں فرمانروائی کا مفہوم اس لغوی تحقیق کے بعد میں آپ کو دعوت دونگا کہ آپ خلافت کے اس مفہوم پر غور کیجیے جس کو خود آپ نے اور مولانا اسلم جیراج پوری نے مراد لیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔

خلیفہ فی الارض سے مراد زمین کی سلطنت وحکومت کی جانشینی ہے

مولانا اسلم جیراج پوری انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا ترجمہ "میں زمین میں ایک بادشاہ بنانے والا ہوں" کرتے ہیں اور نوٹ میں لکھتے ہیں۔

"حضرت آدم اپنے سے پہلے ساکنان زمین کے بجائے بادشاہ بنائے گئے تھے"۔

غور فرمائیے کہ خلافت کے معنی تو محض جانشینی یا قائم مقامی یا بعد میں آنے کے ہیں پھر اس میں بادشاہی اور فرمانروائی کا مفہوم کہاں سے آگیا؟ اگر نفس خلافت اس مفہوم سے خالی ہے اور یقیناً خالی ہے تو اس میں یہ مفہوم اس اعتبار ہی سے آسکتا ہے کہ خلیفہ کو خلافت کسی فرمانروا اور کسی سلطان سے ملی ہو۔ پھر جب انسان کو وہ خلافت ملی جسمیں خود آپ کے اعتراف کے مطابق سلطنت وفرمانروائی کی جھلک ہے تو لا محالہ یہ ماننا پڑیگا کہ انسان جس کا خلیفہ ہوا وہ کوئی فرمانروا تھا۔ اب فرمائیے کہ کیا قرآن سے یا علمی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان سے پہلے زمین پر کوئی ایسی مخلوق تھی جس میں فرمانروائی کی شان تھی؟ فرمانروائی کے لیے علم، حکمت، اختیار، ارادہ، قدرت وغیرہ صفات کا ہونا ضروری ہے کہ ان کے بغیر زمین اور اس کی موجودات پر فرمانروائی نہیں ہوسکتی۔ علمی تحقیقات سے ثابت ہوچکا ہے کہ اس کرۂ خاکی پر انسان سے پہلے

کوئی مخلوق ایسی موجود نہ تھی جو ان صفات سے متصف ہوتی ۔ اسی کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے وہ ہم کو بتاتا ہے کہ انسان سے پہلے خدا کی جو مخلوق سب سے افضل تھی یعنی ملائکہ (جن کو عباد مکرمون کہا گیا ہے) اس کا بھی یہ حال تھا کہ وہ علم اشیاء سے بے خبر تھی (ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۲: ۴) اور ارادہ واختیار کی آزادی سے بالکل محروم تھی (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۶۶: ۱) دوسری مخلوق جن تھے، سو ان کے متعلق کوئی بات قرآن مجید نے ایسی بیان نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ ان کو زمین کی فرمانروائی حاصل تھی ۔ رہے حیوانات و نباتات وجمادات، تو ان کا حال آپ جانتے ہیں پھر آخر وہ کونسی مخلوق تھی جس کی خلافت، زمین کی فرمانروائی کے اعزاز کے ساتھ انسان کو حاصل ہوئی؟

تاہم اگر مان لیا جائے کہ یہ پرانے ساکنین ارض ہی کی خلافت ہے، اور وہ ساکنین ارض انسان سے پہلے زمین کے فرمانروا تھے، تو کیا وہ بالاصالت فرمانروا تھے، یا ان کی فرمانروائی بھی خلیفانہ تھی؟ پہلی شق تو آپ اختیار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اسلامی عقیدہ کی رو سے بالاصل اور بالذات فرمانروا صرف حق تعالیٰ ہے، اور اس کے سوا سب کی فرمانروائی محض عطائی ہے۔ اب رہی دوسری شق تو اس کو اختیار کرنے کی صورت میں یا تو آپ کو خلافت در خلافت کا ایک لامتناہی سلسلہ ماننا پڑیگا۔ یا پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ فرمانروائی کی شان خواہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی خلفاء کو ملی ہو بہرحال اس کا سرچشمہ وہی ذات حق تعالیٰ ہے ۔ اور خلافت میں بادشاہی کی جھلک اسی وقت آسکتی ہے جبکہ وہ خلافت الٰہی ہو۔

قرآنی اشارات اب میں آپ کو ان قرآنی اشارات کی طرف توجہ دلاؤں گا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جس خلافت سے سرفراز کیا گیا ہے، وہ دراصل خلافت الٰہی ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۹۵) اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (۳۸: ۵) اس میں اپنی روح پھونکی ۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (۳۲: ۱) اس کو علم کی نعمت سے سرفراز کیا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ (۲: ۴) اس کے لیے زمین و آسمان کی چیزوں کو مسخر کردیا وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (۴۵: ۲) ان صفات کے ساتھ جب انسان کی تخلیق پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے آگے سجدہ کریں۔ سورہ صٓ کے آخر میں اس حکم کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ خاص طور پر قابل غور ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ (۳۸: ۵)

جب کہ تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کو پورا بنالوں اور اس کے اندر اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ چنانچہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار اور استکبار کیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس کس چیز نے تجھے اس کو سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے تونے آیا یہ تکبار کیا ہے یا تو واقعی بڑے لوگوں میں سے ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تونے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ تو ہماری بارگاہ سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے

آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا۔ یعنی وہ قدرت و صنعت الٰہی کا مظہر اتم تھا، اور اس کے اندر خود اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا تھا، یعنی ایک محدود پیمانے پر اس میں وہ صفات پیدا کر دی تھیں جو بدرجۂ فوق التمام خود باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اس شان اور ان صفات پر آدم کو پیدا کرنے کے بعد اعلان کیا گیا کہ ہم اس کو زمین میں خلیفہ بنانے والے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کے چوتھے رکوع میں ارشاد ہوا ہے۔ فرشتوں نے اس کے مقابلہ میں اپنے حقوق پیش کیے تو ان کے سامنے آدم کی سب سے افضل صفت یعنی علم کا مظاہرہ کرایا گیا۔ اور جب خلافت کیلیے اس کا استحقاق ثابت کر دیا گیا تو فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی خلافت تسلیم کرو اور علامتِ تسلیم کے طور پر اسے سجدہ کرو۔ تمام فرشتوں نے اسے تسلیم کیا اور سر بسجود ہو گئے مگر شیطان نے اس کی خلافت ماننے سے انکار کیا، اس لیے اس کو راندۂ درگاہ کر دیا گیا۔

یہ تمام اشارات کیا ظاہر کر رہے ہیں؟ تمام مخلوقات پر انسان کی فضیلت کا اظہار کیا جاتا ہے، عام مقابلہ میں اس کی فضیلت ثابت کی جاتی ہے، بتایا جاتا ہے کہ وہ ہماری صفات کا مظہر اتم ہے، اور ہم نے اس میں اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا ہے، حکم ہوتا ہے اور وہ بھی کس کو؟ فرشتوں کو کہ اس کو سجدہ کرو، ان سب باتوں کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم اس کو خلیفہ بنانے والے ہیں ان طیاریوں کے ساتھ جس خلیفہ کی خلافت کا اعلان کیا گیا، کیا وہ پرانے ساکنین ارض کا خلیفہ ہو سکتا تھا؟ اگر بات صرف اتنی تھی کہ پرانے بسنے والوں کی جگہ کسی دوسرے کو بسایا جا رہا تھا تو اس کے لیے فرشتوں کے سامنے خلافت کا اعلان کرنے، اور اس کی فضیلت کا مظاہرہ کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر ملائکہ کو یہ حکم کیوں دیا گیا کہ اس کرۂ خاکی کے نو آبادکار کو جو فقط دوسرے لوگوں کی جگہ لینے کے لیے جا رہا تھا، سجدہ کریں؟

خلافت الٰہی سے مراد کیا ہے | دوسری بات جو قرآن مجید میں ایک اور موقع پر ارشاد ہوئی ہے خلافت الٰہی کے مفہوم پر صاف روشنی ڈالتی ہے فرمایا کہ:-

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے

وَالجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ پیش کیا تھا مگر انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور انجام سے بے خبر تھا۔ (۳۳ . ۹)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اپنی مخلوقات میں سے کسی کو فرمانروائی کے کچھ اختیارات اور ذمہ داریاں تفویض کرنا چاہتے تھے۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات تھیں انھوں نے زبان حال سے ظاہر کیا کہ وہ اس امانت کو اٹھانے کے اہل نہیں ہیں آخر کار انسان آیا اور اس نے یہ بار اٹھالیا اس سے متعدد نکات نکلتے ہیں۔

(۱) انسان سے پہلے زمین و آسمان میں جتنی مخلوقات تھیں ان میں سے کوئی بار امانت کا متحمل نہ تھا انسان پہلی مخلوق ہے جس نے امانت الٰہی کا بار اٹھایا لہٰذا منصب امانت میں وہ کسی مخلوق کا جانشین (Suc cessor) نہیں ہے۔

(۲) جس چیز کو سورۂ بقرہ میں خلافت کہا گیا ہے وہ یہی امانت ہے۔ کیونکہ وہاں فرشتوں پر ثابت کیا گیا تھا کہ تم خلافت کے اہل نہیں ہو، اس کا اہل انسان ہے اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ہماری امانت کا بار اٹھانے کی اہل نہ تھی۔ صرف انسان اس کا متحمل ہوا۔

(۳) خلافت کے مفہوم کو امانت کا لفظ واضح کر دیتا ہے، اور یہ دونوں لفظ، نظام عالم میں انسان کی صحیح حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انسان زمین کا فرمانروا ہے، مگر اس کی فرمانروائی بالاصالت نہیں ہے بلکہ تفویض کردہ (Delegated) ہے لہٰذا اللہ نے اس کے اختیارات مفوضہ (Delegated powers) کو امانت سے تعبیر کیا ہے، اور اس حیثیت سے کہ اس کی طرف سے ان اختیارات مفوضہ کو استعمال کرتا ہے اسے خلیفہ (Vicegerent) کہا ہے جس کے اصطلاحی معنے یہ ہیں کہ وہ شخص جو کسی کے بخشے ہوئے اختیارات کو استعمال کرے Person exercising delegated power

(باقی)